© rasailojaraid.com

چھوت چھات کے قائل نہ ہوتے تو مسلمانوں میں ضم ہو جاتے۔ ایسی ہی مجنونانہ حرکات نے انھیں مسلمانوں سے، بلکہ یوں کہیے کہ اسلام کی روشنی سے دور رکھا (ص ۳۴)۔ بعض دیگر مواقع پر بھی مصنف کو ہندوؤں کی تنگ نظری اور تعصب کا اندازہ ہوا۔

کتاب علمی اعتبار سے بھی معلومات افزا ہے۔ اس میں رجال و شخصیات کے بارے میں خاصی قیمتی معلومات ملتی ہیں۔ ناموں کے ساتھ قوسین میں بالعموم سنہ وفات درج ہے۔ مصنف قاری کو شہروں کے ساتھ وہاں کی اہم تاریخی مسجدوں، مدرسوں، مکتبوں، جامعات، مختلف اداروں اور تاریخی آثار کی سیر بھی کراتے ہیں۔ مصنف نے منظر نگاری یا جذباتی انداز نگارش سے اجتناب کیا ہے۔ ان کے ہاں بہت سے سفر ناموں کے برعکس حقیقت و واقعیت نمایاں ہے۔ انھیں باغ و راغ کے بجائے، رجال و شخصیات اور تاریخی آثار سے دلچسپی ہے۔ کتاب کے آخر میں بہت سے مزارات، مقابر اور عمارتوں کی تصاویر شامل ہیں۔ کتابت اور طباعت عمدہ ہے۔

ہندستان ۱۹۴۷ میں تقسیم ہو کر، دو الگ ممالک پاکستان اور بھارت کی شکل اختیار کر گیا۔ پروفیسر محمد اسلم کے سارے سفر ۱۹۴۷ کے بعد کے ہیں، اس لیے کتاب کا نام "سفرنامہ بھارت" زیادہ صحیح ہوتا۔ (رفیع الدین ہاشمی)

جیلانی بی اے کی کہانی، ڈاکٹر تصدق حسین راجہ۔ ناشر: مکتبہ دانیال حیدر راجا، ۱۱۴ اے، گلی ۵۵، جی ۱۰/۳ اسلام آباد۔ صفحات: ۲۰۹۔ قیمت: ۹۰ روپے۔

جیلانی بی اے (وفات: ۱۹۹۰) کا نام پاکستان کے سیاسی، خصوصاً تحریک اسلامی کے، حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ وہ ادب اسلامی کے چوٹی کے افسانہ نگار اور ادیب تھے۔ بعد ازاں انھوں نے دنیائے ادب و افسانہ سے خود اختیاری جلاوطنی اختیار کی۔ ان کی بقیہ زندگی "چودھری غلام جیلانی" کی حیثیت سے عملی سیاست کے کوچے میں بسر ہوئی۔ جماعت اسلامی کے ایک فعال کارکن اور راہنما کے طور پر، مختلف ذمہ داریاں انجام دیتے رہے۔ آخری زمانے میں وہ کئی برسوں تک ہفت روزہ "ایشیا" کے مدیر رہے۔ اس حیثیت میں انھوں نے ملک نصراللہ خاں عزیز (وفات: ۱۹۷۶) کی بہترین صحافتی روایات کو قائم رکھا، بلکہ اپنے خوب صورت اسلوب تحریر کے ذریعے اردو کی صحافتی نثر کو ایک معیار عطا کیا۔ جیلانی بی اے کی شخصیت، افسانہ نویسی اور صحیفہ نگاری کے مختصر اور ابتدائی جائزے کے طور پر، زیر نظر کتاب ایک خوش آیند کوشش ہے۔

جیلانی نہایت منکسر المزاج، حلیم الطبع اور شگفتہ مزاج شخص تھے۔ مصنف نے ان کی افسانہ نویسی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائزے میں بجا طور پر ان کے وسیع مطالعے خصوصاً مغربی افسانوی ادب میں ان کی گہری دلچسپی اور تنقیدی و تجزیاتی بصیرت کا ذکر کیا ہے۔ سوانح کے باب میں مصنف کی کاوش سے زیادہ اصل چیز جیلانی کے خطوط (بہ نام اعجاز احمد فاروقی) ہیں جو ادب، تہذیب، ثقافت، زندگی، ایمان، خیر و شر اور فرانسیسی، روسی اور انگریزی افسانہ نویسوں اور ناول نگاروں کے فن کے بارے میں جیلانی کی دانش و بینش کی بڑی متاثر کن جھلک پیش کرتے ہیں۔ اس تاثر میں ان کے خوب صورت نپے تلے جملے اور سادہ مگر دل کش، خوب صورت اسلوب کا بھی بڑا دخل ہے، مثلاً: "محض خوب صورت الفاظ کا لکھ لینا ہی بڑائی نہیں، بلند ادب کی پہچان یہ ہے کہ اس میں انسانی فطرت کے راز آشکار ہوں" (ص ۳۹)۔ "دنیا کے بعض معاملات کتابوں سے نہیں معلوم ہوتے صرف زندگی کا تجربہ ہی ان کو منکشف کرتا ہے" (ص ۴۲)۔ "محض پھولوں کی زبان ادب کے لیے کافی نہیں، جب تک انسانی نفس کی حقیقتیں اس میں پوشیدہ نہ ہوں" (ص ۴۴)۔ "میرے نزدیک ایمان، ادب میں مانع نہیں بلکہ مولانا رومؒ اور اقبالؒ پیدا کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ اس ایمان کو اساس ادب بنایا جائے--- اگر ایمان تخلیقی صلاحیت کے لیے مہلک اثر رکھتا تو پچھلی نصف صدی میں نہ تو آپ کو کوئی نذیر احمد ملتا، نہ اکبر، نہ حالی" (ص ۴۷)۔ "فلسفہ نام ہے آرام کرسی پر بیٹھ کر سوچ بچار کرنے کا۔ داعی سراپا شعلہ و اضطراب ہوتا ہے جبکہ فلسفی سراپا سکون اور گیان ہے۔ فلسفی عمل کی دنیا سے دور رہتا ہے۔ وہ تماشائی کی حیثیت سے آگے نہیں بڑھنا چاہتا لیکن داعی جو کچھ کہتا ہے، اس پر شہادت دینے کے لیے اپنی جان و مال تک کی بازی لگا دیتا ہے" (ص ۱۱۲)۔

جیلانی کے ایک قریبی دوست اور مداح ڈاکٹر محمد یوسف عباسی نے اعتراض کیا تھا کہ جماعت اسلامی نے جیلانی سے افسانہ نگار کا قلم چھین کر اسے اداریہ نویسی اور سیاسی مضامین لکھنے پر لگا دیا۔ عباسی صاحب کا کہنا تھا کہ "اذان"، "بلعم بن بعور"، "موت کب آتی ہے" اور "چارلس ڈبلیو فلپس کا کیس" جیسے شاہکار افسانے لکھنے والوں کو جماعت کے پرچے (ایشیا) کی ادارت تھما دینا ایسا ہی ہے، جیسے کسی معمار کو گورکن بنا دیا جائے۔ زیر نظر کتاب کے مولف ڈاکٹر تصدق حسین راجا اس بارے میں لکھتے ہیں: عباسی صاحب ضرور اس بات سے اتفاق کریں گے کہ یہ سب عشق کے معاملات ہیں۔ قبلہ بدل جائے تو انسان کا رخ خود بخود بدل جاتا ہے۔ کئی ادیب ایسے ہیں جن کی ادبی زندگی کی ابتدا افسانے لکھنے سے ہوئی۔ پھر وہ تاریخ نویسی سے ہوتے ہوئے "سیرت نگاری" کی وادی میں داخل ہو گئے۔ وہ اب لاکھ کوشش کر دیکھیں، افسانہ نہیں لکھ سکتے۔ قلم رک رک جاتا ہے اور شکوہ کرنے لگتا ہے کہ قلم کار اسے کہاں لیے جا رہا ہے۔ میری ذاتی رائے میں جیلانی اردو افسانہ نگاری میں جو کچھ ہمیں دے گیا، اس کا حصہ اتنا ہی کچھ تھا اور ہمیں جیلانی کی صحافتی اور سماجی زندگی کی فتوحات کو سامنے رکھ کر ان شاہکار افسانوں کے تخلیق نہ ہو سکنے کا ماتم نہیں کرنا چاہیے (ص ۱۳۶)۔

© rasailojaraid.com